جنگ آزادی میں حصہ لینے والے چند مشہور علماء
اہل سنت پر جبر و تشدد اور ظلم و ستم کی داستان

جُرأتوں کا قافلہ

تالیف

ابو کلیم محمد صدیق فانی نور اللہ مرقدہ

اویسی بک سٹال آریس بلاک پیپلز کالونی گوجرانوالہ

0301-6464561, 0333-8173630

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب:..................جراٗتوں کا قافلہ

مؤلف:..................ابو کلیم محمد صدیق فانی نور اللہ مرقدہٗ

نظر ثانی:..................محمد شکیل قادری عطاری (خانیوال)

..................ابو طاہر سہیل احمد تنہا قادری (خانیوال)

کمپوزنگ / پروف ریڈنگ:..........شبیر احمد رضوی (خانیوال، کبیر والا)

سن اشاعت:..................4 جنوری 2007ء

ناشر:..................اویسی بک سٹال

..................جامع مسجد رضائے مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایکس بلاک

..................پیپلز کالونی گوجرانوالہ

صفحات:..................48

قیمت:..................20/ روپے

باہتمام:..................شیخ محمد سرور اویسی

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 7247350-72250885-042، ضیاء القرآن کراچی 2210212-2830411-021

شبیر برادرز لاہور 7246006، جمال کرم 7324948، رضا و رائٹ اینڈ پروگریسو بکس لاہور، مسلم کتابوی لاہور

مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور، سی کتب خانہ لاہور، مکتبہ قادریہ گوجرانوالہ، مکتبہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ

مکتبہ نبویہ لاہور، قادری رضوی کیسٹ ہاؤس شیخ ہندی سٹریٹ لاہور، مکتبہ نوریہ رضویہ لاہور

مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، مکتبہ فیضان مدینہ لالہ موسیٰ، کھاریاں، جہلم، گکھڑ، خانیوال وغیرہ

فہرست

☆...... (۱) ایک تلخ حقیقت ۴

☆...... (۲) لمحۂ فکریہ ۵

☆...... (۳) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا انجام ۷

☆...... (۴) بانی جنگ آزادی

حضرت مولانا احمد اللہ شاہ چشتی مدراسی علیہ الرحمۃ ۱۰

☆...... (۵) مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ ۱۷

☆...... (۶) مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی علیہ الرحمۃ ۲۰

☆...... (۷) مولانا مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی علیہ الرحمۃ ۲۲

☆...... (۸) مولانا امام بخش صہبائی علیہ الرحمۃ ۲۵

☆...... (۹) منشی رسول بخش کاکوروی علیہ الرحمۃ ۲۸

☆...... (۱۰) مفتی عنایت احمد کاکوروی علیہ الرحمۃ ۲۹

☆...... (۱۱) فاتح عیسائیت مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ الرحمۃ ۳۱

☆...... (۱۲) حضرت مولانا فیض احمد بدایونی علیہ الرحمۃ ۳۲

☆...... (۱۳) مولانا رضی اللہ بدایونی علیہ الرحمۃ ۳۳

☆...... (۱۴) مولانا غلام حسین علیہ الرحمۃ ۳۴

☆...... (۱۵) مولانا عبدالجلیل علی گڑھی علیہ الرحمۃ ۳۴

☆...... (۱۶) مولانا وہاج الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ ۳۵

☆...... (۱۷) حضرت شاہ جی غلام ابولن سیوہاروی علیہ الرحمۃ ۳۶

☆...... (۱۸) منشی ذوالفقار الدین علیہ الرحمۃ ۳۷

☆...... (۱۹) مولانا رضا علی خاں بریلوی علیہ الرحمۃ ۳۸

ایک تلخ حقیقت

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو قوم تاریخ کو بھلا دیتی ہے، جغرافیہ بھی اس قوم کو فراموش کر دیتا ہے مگر اس سے ایک بڑی اور تلخ حقیقت یہ ہے کہ جو اپنے جغرافیہ کے تحفظ و بقا کا بیڑا نہیں اُٹھاتے اور محض تاریخی مقبروں کے مجاور بن کر بیٹھ رہتے ہیں، تاریخ اپنے خوبصورت اوراق میں انہیں کبھی بھی جگہ نہیں دیتی۔

(رائے محمد کمال) [1]

ع نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

[1] ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، مقدمہ از رائے محمد کمال صفحہ نمبر ۵ طبع لاہور

لمحۂ فکریہ

؏ شاید کہ تیرے دل میں اُتر جائے میری بات

برصغیر پاک و ہند میں محمد بن قاسم کی آمد سے لے کر ۲۰۰۶ء تک بہت سی اسلامی تحریکوں نے جنم لیا اور علمائے اہل سنت اور مشائخ عظام نے ان میں بڑھ چڑھ کر شرکت کی، سوائے ان تحریکوں کے جن میں بعض افراد نے ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ بلند کر کے مسلمانوں کی عزت و ناموس کو ٹھیس پہنچائی اور پرچم اسلام کو سرنگوں کیا۔

O

اسے اہل سنت کی بدقسمتی کہیئے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان اسلامی تحریکوں کے مواقع پر علماء و مشائخ کے کارہائے نمایاں جو کہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل تھے کسی نے بھی انہیں احاطۂ تحریر میں لانے کی طرف توجہ نہ دی اور وہ گوشہ گمنامی کی بھینٹ چڑھ گئے۔

O

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دور میں جو بھی مصنف یا مؤلف اس عنوان سے لکھنا چاہتا ہے تو ایک خاص فرقہ یا جماعت سے منسلک ہونے کی بنا پر اپنوں کے کارنامے تو شرح و بسط سے تحریر کرتا ہے جن کو حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں، مگر جن نفوسِ قدسیہ نے میدانِ کارزار میں نمایاں کردار ادا کیا، قید و بند کی صعوبتیں برداشت

کیں، تختہ دار پر لٹکائے گئے اور جن کی جائیدادیں ضبط کی گئیں، ان کے حالات وواقعات لکھتے وقت اس کا قلم چند سطور لکھنے کے بعد رُک جاتا ہے یہ تاریخ سے انصاف نہیں بلکہ ظلم عظیم ہے۔

O

زیر نظر رسالہ میں اسی حقیقت کو منظر عام پر لایا گیا ہے اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لینے والے علماء اہل سنت پر انگریزی حکومت کے مظالم کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام پر حق و باطل میں تمیز کرسکیں۔ اور مخالفین کے جھوٹے پروپیگنڈوں سے باخبر رہیں۔

O

اب علماء اہل سنت اور مشائخ عظام اور خطباء ومقررین کا اوّلین فرض ہے کہ وہ اس رسالے کا بنظر عمیق مطالعہ کریں اور اپنے معتقدین متوسلین اور مریدین اور عوام اہل سنت کو اپنے اسلاف واخلاف پر انگریزی حکومت کے مظالم سے آگاہ کریں تاکہ یہ سلسلہ نسل درنسل جاری وساری رہے اور آئندہ آنے والی نسلیں اپنے اکابرین کے کارناموں کو فراموش نہ کرسکیں۔

طوفانِ نوح لانے سے کیا فائدہ!
دو اشک بھی ہیں کافی گر وہ اثر ہوں رکھتے

O

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مولانا ابوکلیم محمد صدیق فانی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی اس مساعی جمیلہ کو قبول منظور فرما کر ذخیرہ آخرت بنائے اور دنیا وآخرت کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین
بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

شبیر احمد رضوی
یکم نومبر ۲۰۰۶ء/۱۴۲۷ھ

بلاک نمبر ۳، گلی نمبر ۶
مکان نمبر ۶۸، خانیوال

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا انجام

مولانا فضل حق خیر آبادی لکھتے ہیں: اس ظالم حاکم نے میری جلاوطنی اور عمر قید کا فیصلہ صادر کر دیا اور میری کتابیں جائیداد و مال و متاع اور اہل و عیال کے رہنے کا مکان غرض ہر چیز پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ اس شرمناک رویہ کا تنہا میں ہی شکار نہ بنا تھا بلکہ بہت سی مخلوق سے اس سے بڑھ چڑھ کر ناروا سلوک روا رکھا گیا۔ انہوں نے عہد پیمان توڑ کر ہزاروں مخلوق خدا کو پھانسی، قتل، جلاوطنی اور قید و حبس میں بلا تاخیر مبتلا کر دیا، وعدہ خلافی کر کے بے شمار نفسوں اور لا تعداد نفیس چیزوں کو تباہ کر ڈالا۔ اس طرح خونِ ناحق شمار سے آگے بڑھ گیا۔ سینکڑوں اور ہزاروں سے گنتی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح شریف و غیر شریف قیدیوں کی تعداد حد سے متجاوز ہے۔ خصوصاً دہلی اور ہمارے دیار کے مابین وسیع علاقے جہاں شریف و عظیم خاندانوں کے شہر گاؤں کے گاؤں اور قصبے کے قصبے آباد ہیں ان شرفاء و عظماء کے پاس ایک رئیس نے جو اسلام و ایمان کا مدعی بھی تھا دار الریاستہ میں طلبی کے ساتھ امن و امان کا پیغام بھیجا۔ وہاں پہنچنے پر اپنے وعدے سے پھر کر نصاریٰ کی خوشنودی کی خاطر غداری کر کے ان سب کو گرفتار کر لیا......... ان سب کو ہتھکڑی اور بیڑی پہنا کر محبوس کر دیا۔ اکثر شرفاء کو قتل اور باقی کو قید اور جلاوطنی اور طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کر دیا![1]

گل محمد فیضی لکھتے ہیں: مجاہدین آزادی کی بے سروسامانی اپنوں کی غداری اور نظم و ضبط کے فقدان کے باعث جون ۱۸۵۸ء تک انگریز اس تحریک کو کچل چکے تھے۔ اس کے بعد مسلمانوں پر مصائب و مشکلات کے جو پہاڑ ٹوٹے اسکی نظیر نہیں ملتی۔

[1] الثورة الهندیہ صفحہ نمبر ۲۸۹، ۲۹۰ مع مقدمہ (مترجم) طبع لاہور

دہلی میں ستائیس ہزار مسلمانوں کو پھانسی دی گئی۔ سات دن کا قتل عام اس کے علاوہ تھا۔ مسجد فتح پوری سے قلعہ تک درختوں کی شاخوں پر سولیاں لٹکا کر پھانسیاں دی گئی۔ زندہ مسلمانوں کو سؤر کی کھالوں میں سی کر اُبلتے ہوئے کڑاہوں میں ڈالا گیا۔ آزادی کی اس جنگ میں صرف علماء اہل سنت ہی پروانہ وار شریک تھے۔ ان پر ایسے ظلم توڑے گئے کہ ان کے تصور سے ہی دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ایڈورڈسن کے اندازے کے مطابق صرف دہلی میں پانچ سو علماء شہید کئے گئے۔ اضلاع روہیل کھنڈ میں پانچ ہزار علماء ظلم وستم کا نشانہ بنے اور بنگال میں اسی (۸۰) ہزار مجاہدین سے چن چن کر انتقام لیا گیا۔ ان کی جائیدادیں ضبط ہوئیں۔ جلاوطن ہوئے۔ انگریزی حکومت نے وہ مظالم توڑے کہ پہاڑوں کے دل بھی دہل گئے۔ لاکھوں آباد گھرانے اجڑ گئے آہ وفغاں اور دلآویز چیخوں کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ وہ ملک جہاں موسم بہار میں بلبلیں چہچہاتی تھیں، خوشی ومسرت کے گانے گاتی تھیں۔ مرگھٹ کا سماں پیش کر رہا تھا، دیس اجڑ چکا تھا، علم وفضل کے مراکز برباد ہوگئے تھے، اور اس پر وحشت ناک تاریکیاں گہری ہورہی تھیں۔

اگرچہ اس تحریک کا انجام اور خاتمہ انتہائی دردناک ہوا۔ لیکن اس نے آزادی کی وہ چنگاریاں روشن کیں، جنہوں نے ایک صدی سے بھی کم وقت میں شعلۂ بن کر ایوان فرنگیت کو خاکستر کردیا۔ اگرچہ علمائے اہل سنت کو قید وبند کی سختیوں سے دوچار ہونا پڑا، انہیں جائیدادوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ظالم ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر کے رقص بسمل کا تماشہ دیکھتے رہے لیکن یہ ایک روشن اور تابناک حقیقت ہے۔ کہ انہی کی روح کی گہرائیوں سے اٹھنے والی آواز تھی جو نعرۂ حریت بن کر اُبھری اور آزادی مسلم کا باعث بنی۔

؎ ابر رحمت اُن کی مرقد پر گہر باری کرے ...... حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

آیئے! جنگ آزادی کے غداروں سے نفرت وعداوت کا اظہار کریں اور عظمت وصداقت کے پیکر، جرأت وعزیمت کے پہاڑ علماء اہل سنت اور دیگر مجاہدین آزادی کے راستہ میں اپنی آنکھیں ان کے قدموں میں محبت کے پھول اور احترام و عقیدت کی کلیاں نچھاور کریں۔ اگرچہ وہ اس کے محتاج نہیں لیکن مستحق ضرور ہیں۔[1]

محمد صدیق قریشی لکھتے ہیں: مسلمانوں نے جہاد کی تحریک کی ابتداء بہت عرصہ قبل کردی تھی، اگرچہ اسکے اظہار کی صورتیں مختلف تھیں۔ انہی میں سے ایک ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی تھی۔ مسلمانوں نے فرنگیوں کے ہاتھوں ستائے ہوئے ہنود کو بھی غیرت دلائی تو وہ بھی انکے ساتھ شامل ہوگئے۔ لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ یہ تحریک مسلم قائدین ہی کے ذہن اور فکر کی پیداوار تھی۔ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اپنی تباہی و بربادی پر جتنے مسلمان تڑپ رہے تھے اتنا احساس دوسروں کو نہ تھا کہ وہ اپنی عظمت پارینہ کو یاد کرتے اور خداوند قدوس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوکر اسکی بحالی کیلئے دُعا گو ہوتے...... تحریک کے مجاہدین کا احاطہ عددی اعتبار سے ناممکن ہے لیکن انسانی معاشرے میں شخصیات کی تعداد ہمیشہ ہی مختصر رہی ہے ان مجاہدین نے آتش کدوں کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور انقلاب کے نشتر سے ملت کے جسم کے ناسور کو ختم کرنے کی سعی کی، قدرت کی ان دیکھی مصلحتوں کو کون سمجھ سکتا ہے، تحریک ناکام ہوگئی لیکن انکا خون رائیگاں نہ گیا، انہوں نے ہمارے لئے ہماری منزل کا تعین کیا اور ٹھیک نوے برس بعد انکی خون کی آبیاری سے ہمارے لئے ایک گلشن معرض وجود میں آیا جسے اب ہم نے اپنے خون سے سینچنا ہے۔[2]

---

[1] آزادی کی ان کہی کہانی از گل محمد فیضی بی اے صفحہ نمبر ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰

[2] جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر صفحہ نمبر ۶۷۵

بانی جنگ آزادی حضرت مولانا احمد اللہ شاہ چشتی مدراسی علیہ الرحمۃ

نقل اشتہار

اعلان انعام بابت گرفتاری مولوی احمد اللہ شاہ ؎

اعلان گورنر جنرل نمبر ۵۸۰ محکمہ امور خارجہ الہ آباد، ۲۰ راپریل ۱۸۵۸ء اعلان نمبر ۵۸۰ جی

ذریعہ ہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ ۵۰ ہزار روپیہ ہر اس شخص کو ادا کیا جائے گا جو باغی مولوی احمد اللہ شاہ کو جو عام طور پر مولوی کہا جاتا ہے زندہ کسی برطانوی چوکی یا کیمپ کے حوالے کردے گا۔

یہ مزید اعلان کیا جاتا ہے کہ اس اعلان کے علاوہ اس باغی یا بھگوڑے کو جو فوج سے بھاگ گیا ہوگا عام معافی دے دی جائے گی جو مولوی کو حوالے کرے گا، سوائے ان تین آدمیوں کے جن کا نام اعلان نمبر ۴۷۳ مورخہ یکم اپریل میں ظاہر کئے جاچکے ہیں۔

؎ آثر دلاوری، صفحہ نمبر ۱۷۶۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، صفحہ نمبر ۱۹۴۔

۲۴ رمئی کو جانز نے بھی محمدی کا رخ کیا، بدقسمتی سے اس دوران میں مولانا کے بہترین جانباز اور رفقاء انکا ساتھ چھوڑ گئے تھے کیونکہ لگاتار پسپائی سے انکا مورال بری طرح متاثر ہوا تھا، جہاں تک مولانا کا تعلق ہے، ان کی اوالوالعزمی میں اس سے کوئی فرق نہ پڑا۔

مئی ۱۸۵۸ء میں آپ نے اودھ پر دوبارہ قبضہ کرلیا تھا اب لڑائی کا رنگ یہ ہوگیا تھا کہ کولن اودھ کو فتح کرتا تو مولانا روہیل کھنڈ پر قبضہ جما لیتے تھے اور وہ روہیل کھنڈ کو لیتا تھا تو وہ اودھ کو فتح کرلیتے تھے۔ اس پریشانی سے نجات حاصل کرنے کیلئے فرنگیوں نے اس آہنی ہاتھ کو شل کردینے کا فیصلہ کیا، ان دنوں مولانا اودھ کے بڑے راجاؤں اور روسا سے مدد لینے کا ارادہ کررہے تھے ان میں پایان کا راجا جگن ناتھ بھی تھا۔ مولانا نے بیگم حضرت محل کی طرف سے اسے مجاہدین کی امداد کیلئے پیغام بھیجا، راجہ نے اثبات میں ...... جواب دیا لیکن مذاکرات کیلئے آپ کو پایاں (پورائین) آنے کی دعوت دی، یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ فرنگیوں نے مولانا کو زندہ گرفتار کرنے کیلئے بیش بہا انعامات مقرر کررکھے تھے ساتھ ہی آپ کو پناہ دینے والوں کیلئے ہولناک سزاؤں کا بھی اعلان ہوچکا تھا، لیکن حُر بھی کبھی ایسی بھبکیوں سے ڈرا کرتے ہیں۔ ۵رجون کو آپ راجہ سے گفت و شنید کیلئے روانہ ہوئے۔ پایاں پہنچ کر آپ نے شہر کے دروازہ کو بند پایا، فصیل پر جگن ناتھ اپنے بھائی بلدیو سنگھ کے ساتھ مسلح سپاہیوں کے درمیان کھڑا تھا، آپ صورتِ حال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے بھی فصیل کے نزدیک محض اس خیال سے چلے گئے کہ جگن ناتھ کو آمادۂ مذاکرات کرسکیں، ابھی آپ فصیل کے قریب پہنچے ہی کہ بلدیو سنگھ نے آپ پر گولی چلادی، اس طرح ایک بدبخت غدار کے ہاتھوں آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ راجہ کے بھائیوں نے مولانا کا سر کاٹ لیا، شاہ صاحب کے دونوں ساتھی بھی شہید ہوئے۔ یہ واقعہ ۱۵رجون ۱۸۵۸ء، ۲رذیقعدہ ۱۲۷۴ھ بروز سہ شنبہ (منگل) بوقت دوپہر وقوع پذیر ہوا۔ فتح محمد تائب لکھتے ہیں:

فقط ساتھ اس شیر کے دو رہے ...... وہ صادق تھے اللہ کے ہو رہے
زہے انکی قسمت زہے ان کے بخت ...... فدا اس عربی پہ سوتاج و تخت
پڑے تھے شہ ملک عرفاں کے گرد ...... مصائب ہوں جس طور سلطان کے گرد
عیاں ان میں یوں لاشہ شاہ تھا ...... دو پیکر کے آغوش میں ماہ تھا

راجہ جگن ناتھ پچاس ہزار روپے کے انعام کا مستحق ٹھہرا، کیونکہ مولوی احمد اللہ شاہ

کے سر کیلئے ۵۰/ہزار روپے کا انعام مقرر تھا۔ سر کلکٹر شاہجہاں پور کے پاس لایا گیا۔ پوایاں کے تحصیلدار مولا بخش نے مندرجہ ذیل عرضی کے ساتھ کلکٹر شاہجہاں پور کے پاس شاہ صاحب کا سر بھیجا۔

''غریب پرور سلامت''!

بجواب حکم حضور پر نور، مورخہ ۱۵/جون ۱۸۵۸ء سر مولوی و کرچ وکلا مولوی، معرفت راجہ جگن ناتھ سنگھ ارسال حضور کیا۔ ملاحظہ میں حضور والا کے گزرے گا اور اصل پروانہ مشعر خوشنودی مزاج بندگان حضور بطور سند کے کمترین نے اپنے پاس رکھا، اطلاعاً عرض کیا۔ مورخہ ۱۶/جون ۱۸۵۸ء۔

عرضے

مولانا محمد بخش تحصیلدار، پوایاں

احمد بیگ اور تلا رام نے مولوی احمد اللہ شاہ کی نعش کی شناخت کی، مرزا احمد بیگ ولد قادر بخش ساکن گوپا موٴ (عمر ۲۸ رسال پیشہ نوکری) اظہار کرتا ہے کہ

''میں نوکر راجہ پوایاں کا ہوں، میں خوب واقف ہوں کہ یہ لاش جو پوایاں سے ہم لائے ہیں احمد اللہ شاہ باغی کی ہے کہ اس میں کسی طرح کا شک نہیں، زندہ بھی ایک مرتبہ میں نے بڑے گاؤں میں دیکھا تھا اور وقت شناخت کے حلیہ بھی لاش کا بموجب سابق مطابق پایا۔ کہ سانولا رنگ، بڑی بڑی آنکھیں اور بال تمام سر تا دوش اور داہنے ہاتھ کی ایک انگلی کٹی ہے اور میں اچھی طرح پہچانتا ہوں کہ یہ لاش احمد اللہ شاہ کی ہے کچھ فرق نہیں ہے۔

العبد

احمد بیگ

اسی قسم کا بیان تلا رام ولد خورم سنگھ قوم ٹھاکر، عمر ۲۵ رسال کا ہے۔

راجہ پایاں آپ کے سر کو رومال میں لپیٹ کر ہاتھی پر سوار ہوا اور شاہجہاں پور کے مجسٹریٹ سٹی کے پاس لے گیا، وہ اپنے گھر کھانے کے دوران فرش پر آپ کے سر کو گیند کی

طرح اِدھر اُدھر لڑکھڑاتا رہا، بعد میں آپ کا سر پولیس سٹیشن کے صدر دروازے پر لٹکا دیا گیا، لندن میں اس خبر سے چراغاں ہوا، جیسا کہ ہومز نے لکھا ہے: ''شمالی ہندوستان میں ہمارا سب سے بڑا دشمن، سب سے خطرناک انقلابی ختم ہو گیا''۔

اس تشہیر عام کے بعد لاش کے ساتھ سر کو بھی جلا کر خاک کر دیا گیا اور اس جگہ گدھوں کا ہل چلوا دیا اور تمام تھانوں میں اس کا سرکاری طور پر اعلان کرایا گیا۔

چنانچہ مجسٹریٹ شاہجہاں پور کی طرف سے ۱۸ر جون ۱۸۵۸ء کو ایک حکم مشتہر ہوا جو کہ احمد شاہ ''سرغنہ باغیان'' بمقام پوایاں بمقابلہ جمعیت راجہ جگن ناتھ رئیس پوایاں کے مارا گیا...... اور سر اس کا بمقام کوتوالی لٹکایا گیا لہٰذا حکم ہوا کہ اور جملہ تھانیداروں کو اطلاع دے کر لکھا جائے کہ وہ اپنے علاقے میں اس بات کو مشہور کر دیں اور نیز افسران چوکیات تھانہ جات کو بھی اطلاع دے دیں۔ مورخہ ۱۸ر جون دستخط بخط انگریزی

سپرنٹنڈنٹ ضلع کی طرف سے بتھرا کے تھانیدار کو لکھا گیا۔

بحکم صاحب سپرنٹنڈنٹ بہادر

شجاعت نشان تھانیدار بتھرا، خوش رہو...... احمد اللہ شاہ سرغنہ...... مارا گیا، نعش اس کی پھونک دی گئی اور ہل گدھوں کا، جائے سوختنی نامبردہ کے چلوایا گیا اور سر اس کا بمقام کوتوالی ٹانگا گیا۔ لہٰذا تم کو لکھا جاتا ہے کہ تم اس بات کو مشہور کر دو۔

۱۸ جون ۱۸۵۸ء بہ قلم للتا پرشاد محرر

یہ خبر تلہر، پوایاں، کٹوریا، پورن پور اور کٹرہ بھی بھیجی گئی۔ اس مردِ مجاہد کی نعش کے جلانے کے سلسلے میں ۱۱ روپے خرچ ہوئے اس رقم کو سرکاری خزانے سے وصول کیا گیا۔

ناظر عدالت فوجداری کی درخواست ملاحظہ ہو۔

غریب پرور سلامت!

مرادی ۱۱ روپے کی لکڑی سوختنی نعش احمد اللہ خاں و نجگی (؟) وغیرہ میں جو خرچ ہوئے ہیں امیدوار ہوں کہ مرادی مذکورہ بالا سرکار سے عطا ہوویں۔ واجب تھا عرض کیا۔

عرضے

فدوی ہیرالال ناظر فوجداری ۲۰ / جون ۱۸۵۸ء

حکم ہوا کہ ۱۱ روپے حسب ضابطہ باجرائے پروانہ رسمی خزانچی دیا جائے۔

۲۰ / جون ۱۸۵۸ء دستخط بخط انگریزی

دریا پار محلہ جہاں آباد متصل احمد پور مسجد کے پہلو دفن کیا گیا۔ بعد میں مولانا سید طفیل احمد (علیگ) نے آپ کی قبر پر کتبہ لگوایا۔

راجہ جگن ناتھ[1] نے ۲۷ جون ۱۸۵۸ء کو بابت خیر خواہی فرنگی حکام درج ذیل خط لکھا،

جناب والا مناقب علی شان مع الجود والاحسان سکندر شوکت والا شان قدرداں ہوا خواہاں دام حشمۂ و شوکتۂ۔

بعد ادائے آداب فدوی جاں نثار گزارش گر مدعا ہے، سرفراز نامہ افتخار آمود محررہ ۲۷ / جون ۱۸۵۸ء نے محتوی خوشنودی مزاج حضور فیض گنجور سبب آنے کا حکم محکم جناب مستطاب معلیٰ القاب نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہٗ، بذریعہ تار برقی مقام فرخ آباد سے بمزید قدردانی و کمال خوشنودی، عطائے مبلغ ۵۰ ہزار روپیہ بجلدوئے مقتولی، مولوی اور طلبی فدوی جاں نثار مذکور باکتور بلدیو سنگھ واسطے لینے روپیہ مسبوق الذکر اور اطلاع کرنے اس خوشخبری سے راجا ''دوتی سنگھ متولی والا'' کو شرف صدور و غرور دو فرمایا۔ کمال عزت اور

مزارِ پُر انوار مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی شہید علیہ الرحمۃ

[1] عجب بات یہ ہے کہ یہی راجہ پوائن تھا جس نے ابتداء میں انگریزوں کو اپنے ہاں پناہ دینے سے انکار کردیا تھا۔ نہ ابن الوقت راجہ کو رنگ بدلنے میں دیر لگی اور نہ انگریزوں کو اسکی ابن الوقتی کا احساس ہوا

آبرو ہم چشموں میں بخشی، اللہ تعالیٰ سرکار فلک اقتدار کو ساتھ اس قدر دانی کے خوش اور سلامت رکھے۔حق یہ کہ جو سرکار گردوں وقار نے سرفرازی اور قدر دانی اس ذرہ بے مقدار کی فرمائی ہزار زبان سے شکر پرورش سرکار کروں، عشر عشیر ادائے شکر کا ہو نہیں سکتا۔ظہور اس کار نمایاں کا صرف باقبال سرکار ہو اور نہ بدوں یاوری اقبال سرکار۔ظہور ہونا کسی امر خیر خواہی سرکار کا غیر ممکن بلکہ...... محال سے متصور۔ چونکہ ہنوز باغیان بدانجام سکندر آباد اور حوالی اس کے ہیں موجود اور اجتماع ان کے سے احتمال وقوع واردات آتش زدنی، جیسا کہ دو تاریخ میں کیا...... رہتا ہے۔ اغلب کہ جلد منتشر اور درہم برہم ہو جاتے ہیں بعد عرصہ ہفتہ یعنی تاریخ پنجم جولائی ۱۸۵۸ء روز دوشنبہ حاضر خدمت فیض موہبت بندگان عالی متعالی کے ہوں گے اور راجا موتی سنگھ کو اس خوشخبری سے اطلاع کر دی۔ اطلاعاً گزارش کیا۔[1]

ساور کر کا بیان

ساور کر نے لکھا ہے کہ احمد اللہ شاہ نے راجا اور اس کے بھائی کو جنگی تیاری کے ساتھ کھڑے دیکھا تو صورتِ حال کا اندازہ کر لیا، لیکن بے باکانہ قدم آگے بڑھایا اور بات چیت شروع کر دی۔ بدبخت راجا جو قلعے کی دیوار پر کھڑا تھا اس بہادر قلب کی صدائے درد کا صحیح اندازہ کب کر سکتا تھا جس نے عزم مصمم کر رکھا تھا کہ اس وقت تک تلوار نہ چھوڑوں گا، جب تک یا تو اجنبی اس سرزمین سے نہ نکل جائیں یا خود میرے سر پر تاج شہادت نہ رکھا جائے۔

---

[1] جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از پروفیسر محمد ایوب قادری طبع کراچی۔
ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء از مفتی انتظام اللہ شہابی طبع لاہور۔
جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر، از محمد صدیق قریشی طبع لاہور۔
غدر کے چند علماء از مفتی انتظام اللہ شہابی طبع دہلی۔
مآثر دلاوری از ابرار حسین گوپاموی (گوپامؤ ۱۹۶۶ء)۔
ترجمان اہل سنت کراچی، جنگ آزادی نمبر۔ قیصر التواریخ جلد دوم۔

جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ بزدل راجہ بہ طیب خاطر دروازہ کھولنے کیلئے تیار نہیں تو مولوی صاحب نے مہاوت کو حکم دیا کہ جس ہاتھی پر میں بیٹھا ہوں اسے آگے بڑھاؤ اور اس قلعہ کا دروازہ توڑ دو۔ لیکن راجہ کے بھائی اور اس بزدل نے شاہ صاحب کو شہید کردیا۔

نیز لکھتا ہے:

دوسرے روز مہذب انگریزوں نے اس مجاہد کا سر کوتوالی کی عمارت پر لٹکوادیا، جس نے شجاعت و مردانگی اور ایسی بلند ہمتی سے جنگ کی تھی اور پوائین کے بھاری بھرکم وحشی کو غداری کے ملعون فعل کے معاوضے میں پچاس ہزار روپے دیئے۔[1]

امیر حریت

پیکر عشق و محبت نازش قوم و وطن! ...... احمداللہ شاہ فخر خاندان بوالحسن
لشکرِ احرار کا وہ رہنمائے اولین ...... آتش نمرود جس پر بن گئی رشکِ چمن
خوب دی دادِ شجاعت کار زار عشق میں ...... بارک اللہ اے امیر حرّیت فخر وطن
گونجتا تھا، اسطرح میدانِ حرب وضرب میں ...... قلعہ خیبر میں جیسے نعرۂ خیبر شکن
برق وش سیماب طبع ، شعلہ جوالہ تو ...... خرمن افرنگ پر ہر دم رہا جو شعلہ زن
جس نے سب کچھ راہِ آزادی میں قرباں کردیا ...... وہ علمبردار آزادی وہ میر انجمن
جس کی تقریروں نے پیدا کردیا جوش جہاد ...... جسکی بے باکانہ یلغاروں سے جاگ اٹھا وطن
جس نے گوروں کی سیاہی کو نمایاں کردیا ...... چیخ اٹھے جس کی ضربت سے بتان سیمتن
جس سے باطل کے بہادر سورما ڈرتے رہے ...... کانپ کانپ اٹھے تھے جس سے بزرگان اہرمن
سید قربانؒ و محراب قلندرؒ کے طفیل ...... جس نے پھونکا صورِ آزادی بہ آہنگ علن
جس نے قطروں سے لیا تھا کام موجِ نیل کا ...... جس نے ذرّوں کو بنا ڈالا فروغِ انجمن

خالد و طارق کا ثانی مظہر حیدر تھا وہ
ہند میں روحِ جہاد و زہد کا پیکر تھا وہ

---

[1] اساور کر صفحہ نمبر ۳۶۹، ۳۷۰ بحوالہ اٹھارہ سو ستاون کے مجاہد صفحہ نمبر ۱۳۰، ۱۳۱۔

مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ

دہلی کی تسخیر کے بعد مولانا فضل حق اودھ چلے گئے۔ پانچ یوم تک بھوکے پیاسے مکان کے اندر بند رہے۔ پانچویں روز اہل وعیال اور ضروری سامان لے کر شب میں چھپ کر نکلے، دریا عبور کر گئے، میدان قطع کئے، پھر بھیکن ضلع علی گڑھ میں اٹھارہ روز رہے جب ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے اعلان عفو عام ہوا تو اپنے وطن خیر آباد چلے گئے۔ لیکن گرفتار ہو گئے۔ پہلے آپ کو سیتا پور، پھر لکھنؤ لایا گیا۔ عدالت میں پیش ہوئے تو آپ کی شخصیت کا مخبر پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے کہہ دیا کہ آپ متعلقہ فرد نہیں ہیں۔ لیکن مولانا نے خود اپنے آخری بیان میں کہا کہ مخبر نے خبر نہیں کس وجہ سے میری شناخت نہیں کی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے وہ فتویٰ (جہاد) دیا تھا اور اب بھی میری وہی رائے ہے۔

جرم ثابت ہو جانے پر حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ آپکی سزا آپکی جبیں پر داغ دی گئی۔ قید کے ایام پورے کرنے کیلئے آپ کو انڈیمان پہنچا دیا گیا۔ مولانا کو انڈیمان میں خدمت بہت ذلیل سپرد کی گئی تھی بارکوں کی صفائی کیا کرتے تھے[1] خیر آباد کا دیوان خانہ اور محل سرا ضبط کر کے بہ صلہ خیر خواہی سردار محمد ہاشم سیتا پوری کو دے دیئے گئے۔ انڈیمان میں مولانا پر جو کچھ گزری خود اُن کی زبانی سنیئے۔

"مجھے دریائے شور کے کنارے ایک بلند و مضبوط ناموافق آب و ہوا والے پہاڑ پر پہنچا دیا۔ جہاں سورج ہمیشہ سر پر ہی رہتا تھا، اس میں دشوار گزار گھاٹیاں اور راہیں تھیں جنہیں دریائے شور کی لہریں ڈھانپ لیتی تھیں۔ اس کی نسیم صبح بھی گرم و تیز ہوا سے زیادہ سخت اور اس کی نعمت زہر ہلاہل سے زیادہ مضر تھی اس کی غذا حنظل سے زیادہ کڑوی۔ اس کا پانی سانپوں کے زہر سے بھی بڑھ کر ضرر رساں تھا۔ اس کا آسمان غموں کی بارش کرنے والا،

---

[1] ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء صفحہ نمبر ۹۵

اس کا بادل رنج وغم برسانے والا، اس کی زمین آبلہ دار، اس کے سنگریزے بدن کی پھنسیاں اور اس کی ہوا ذلت وخواری کی وجہ سے ٹیڑھی چلنے والی، ہر کوٹھری پر پتھر تھا جس میں رنج و مرض بھرا ہوا تھا"۔

"ہوا بدبودار اور مرض کا مخزن تھی، مرض سستا اور دوا گراں، بیماریاں بے شمار، خارش وقوباء وہ مرض جس سے بدن کی کھال پھٹنے اور چھلنے لگتی ہے عام تھی...... جب ان میں سے کوئی مرجاتا تو نجس وناپاک خاکروب جو درحقیقت شیطان خناس یا دیو ہوتا ہے اسکی ٹانگ پکڑ کر کھینچتا ہوا غسل وکفن کے بغیر اسکے کپڑے اُتار کر ریگ کے تودے میں دبا دیتا ہے نہ اسکی قبر کھودی جاتی ہے نہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ یہ کیسی عبرتناک اور الم انگیز کہانی ہے"۔

"میرے دشمن میری ایذاء رسانی میں کوشاں اور میری ہلاکت کے درپے رہتے ہیں، میرے دوست میرے مرض کے مداوا سے لاچار ہیں، دشمنوں کے دل میں میری طرف سے بغض وکینہ مذہبی عقائد کی طرح راسخ ہوگیا ہے۔ ان کے پلید سینے کینہ وعداوت کے دفینے بن گئے ہیں"[1]

مولانا کے فرزند مولانا عبدالحق اور منشی غلام غوث نے آپکے مقدمہ کی پیروی جاری رکھی اور بالآخر رہائی کے احکامات حاصل کر لئے لیکن جس وقت احکامات پہنچے اس وقت مولانا کا جنازہ نکل رہا تھا۔ (۱۹/اگست ۱۸۶۱،۱۲/صفر المظفر ۱۲۷۸ھ)[2]

ع خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

غالب نے تاریخ وفات یوں بیان کی ہے۔

گفتم اندر سایہ مطف بنی
باد آرا مشکہ فضل امام [3]

---

[1] الثورۃ الہندیہ صفحہ نمبر ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۵، طبع لاہور

[2] جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر از محمد صدیق قریشی صفحہ نمبر ۱۰۷ طبع لاہور ۱۹۸۶ء
غدر کے چند علماء از مفتی انتظام اللہ شہابی صفحہ نمبر ۴۵

[3] جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر صفحہ نمبر ۱۱۸

علاوہ ازیں مولانا علیہ الرحمۃ کا کتب خانہ اور جائیداد بھی ضبط کرلی گئی۔ بعد میں ۱۶ رفروری ۱۹۸۷ء کو ضبط شدہ دیہاتوں میں سے کچھ واگزار کیے۔ ۱۲رصفر المظفر ۱۲۷۸ھ کو جزیرہ انڈیمان میں وصال ہوا۔ اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

خطیب حریت

وہ امام فلسفہ وہ نازش علم و سخن ...... جس نے زندہ کردیا تھا قصہ دار ورسن
موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہنستا! ...... اللہ اللہ جنگ آزادی کے حر کا بانکپن!
زندگی اس کی سراپا سوز و سازِ عشق تھی! ...... دانش وحکمت میں حاصل تھا اسے معراج فن
دیو استبداد اس سے لرزہ براندام تھا! ...... اس کی شمشیر نگہ سے کانپتا تھا اہرمن
سامراجی طاقتوں کا توڑ کر زور جنوں! ...... اس نے پیدا کی تھی آزادی کی ہر دل میں لگن
اس نے سمجھایا نہیں ممکن نظیر مصطفےٰ ...... گونجتا ہے آج تک یہ نعرۂ باطل شکن
کانپ اٹھا اس کے فتوؤں سے فرنگی سامراج ...... جس کے نعروں سے ہوئے بیدار شیران وطن
وہ خطیب حریت شعلہ نوا جوش آفریں ...... جامع دہلی گرماتا رہا جس کا سخن
اس کا وہ فرزندِ فاضل، اس کی سچی یادگار ...... عاشق میر عرب عبد خدائے ذوالمنن
ہند میں روشن کیا جس نے چراغ فلسفہ ...... پیکر علم و ہنر ظلمت میں شمع انجمن
خاکِ خیرآباد ہے ہم پایۂ خلد بریں! ...... جس کا ہر کوچہ ہے علم و رشک صد چمن

مردِ حر غازی، مجاہد، حق پرست وفضل حق
تھا کتاب حریت کا بے گماں پہلا ورق

مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی علیہ الرحمۃ

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

فخر الدین (کلال) نامی ایک شخص نے مخبری کی۔ مولانا کفایت علی کافی گرفتار ہوئے، موصوف پر مختلف الزامات قائم ہوئے۔ معمولی ضابطہ کی کارروائی کے بعد پھانسی کا حکم ہوا۔ مولانا کافی نے یہ حکم سنتے ہی خوشی کا اظہار کیا۔ آپ کے جسم پر گرم گرم استری پھیری گئی زخموں پر نمک مرچ چھڑکی گئی۔[1]

جب مولانا کو پھانسی دینے کیلئے لے جایا گیا تو آپ نہایت بلند آواز سے اپنی ایک تازہ غزل پڑھتے ہوئے جارہے تھے۔

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا
ہم صفیرو باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا
بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا
اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تنِ بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا
نام شاہانِ جہاں مٹ جائیں گے لیکن یہاں
حشر تک نام و نشاں پنجتن رہ جائے گا
جو پڑھے گا صاحبِ لولاک کے اوپر درود
آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا

[1] ترجمان اہل سنت کراچی، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر، صفحہ نمبر ۹۸

سب فنا ہو جائیں گے کافیؔ ولیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

۲۴/اپریل ۱۸۵۸ء کو مولانا کافی کو جیل مراد آباد کے پاس مجمع عام میں پھانسی دی گئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ قبر مبارک جیل کے قریب ہے۔[۱]

مولانا محمد عمر نعیمی بن محمد صدیق (م ۱۳۸۵ھ) علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ شہادت سے تقریباً ۳۵ سال بعد مولانا کافی کی قبر جو کہ جیل کے قریب واقع ہے سڑک میں آئی تھی جس سے قبر کھل گئی، دیکھا گیا جسم ویسا ہی رکھا تھا۔ مولانا نعیمی مراد آبادی کے نانا شیخ کرامت علی ٹھیکیدار نے جسم مبارک کو دوسری جگہ عقب جیل دفن کرا دیا تھا۔[۲]

تاثرات پروفیسر محمد ایوب قادری

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء برصغیر پاک و ہند کی وہ منظم اور ہمہ گیر تحریک تھی کہ جس میں انہوں نے وطن عزیز کو غیر ملکی اقتدار سے آزاد کرانے کیلئے ہر ممکن کوشش کی، اس تحریک میں اگر ایک طرف امراء و رؤسا اور فوجی طاقت پیش پیش تھی تو دوسری طرف علماء و صلحاء و فقراء و شعراء اور عوام بھی شریک تھے۔ فتویٰ جہاد سے علماء کی مساعی جمیلہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ فقراء نے فقیری کے پردے میں بیعت جہاد شروع کر دی۔ شعراء بھی بزم سخن چھوڑ کر میدانِ رزم میں آ گئے۔ مجاہدین نے غیر ملکی حکومت کے قدم اکھاڑ دیئے۔ انہیں سر فروشی اور کفن بردوش مجاہدین میں سے مولانا کافی ہیں جنہوں نے مسند علم و بزم سخن چھوڑ کر جنگ آزادی ۱۸۵۷ میں مردانہ وار حصہ لیا اور جام شہادت نوش فرمایا۔

(العلم کراچی، جنگ آزادی نمبر، اپریل تا جون ۱۹۵۷ء، صفحہ نمبر ۱۰۹)

۱۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء صفحہ نمبر ۵۶۵، ۵۶۶

جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر صفحہ نمبر ۱۵۲ طبع لاہور بار اول ۱۹۸۶ء

۲۔ جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر صفحہ نمبر ۱۵۳

العلم (کراچی) جنگ آزادی نمبر صفحہ نمبر ۱۱۷، اپریل تا جون ۱۹۵۷ء

اٹھارہ سو ستاون کے مجاہد از غلام رسول مہر صفحہ نمبر ۳۱۱ طبع لاہور ۱۹۷۱ء

مولانا مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی علیہ الرحمۃ

جب بانی تحریک آزادی ۱۸۵۷ء سید احمد اللہ شاہ مدراسی دہلی گئے باوجودیکہ علاوہ بڑے بڑے شیوخ طریقت رشد و ہدایت کی محفل جمائے بیٹھے تھے اور علماء کرام درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں لگے ہوئے تھے۔ مولوی احمد اللہ شاہ ہر ایک عالم دین اور بزرگ سے ملے۔ وقت کی نزاکت کا احساس دلایا اور ان کے سامنے روئے دھوئے مگر ان کی فغاں اور بکا پر کسی نے کان نہ دھرے حضرت مفتی صدر الدین آزردہ نے کچھ کچھ آمادگی کا اظہار کیا اور مشورہ دیا کہ آگرے جا کر اصلاحی تحریک کو کامیاب بنایا جائے۔[1]

۱۸۵۷ء/۱۲۷۳ھ میں ہندوستان کے طول و عرض میں حصول آزادی کا غلغلہ بلند ہوا۔ یہ نہایت نازک موقع تھا۔ جس میں بلاشبہ غیر مسلموں نے بھی حصہ لیا اور مالی و جان کی قربانیاں پیش کیں۔ لیکن ہندوستان کے مسلمان کی بالخصوص بہت بڑی تعداد انگریزوں کے خلاف میدان محاربہ میں نکل آئی اور اجنبی اقتدار کے مقابلے میں صف آراء ہو گئی تھی۔ علمائے ہند نے اس کو جہاد قرار دیا اور جن مشہور و ممتاز علماء نے فتویٰ جہاد پر دستخط کئے ان میں صدر الصدور مفتی صدر الدین دہلوی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔[2]

مفتی جیون لال لکھتے ہیں:

علامہ فضل حق خیرآبادی نے مشورہ کے بعد آخری تیر ترکش سے نکالا بعد نماز جمعہ جامع مسجد (دہلی) میں علماء کے سامنے تقریر کی، استفتاء پیش کیا، مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبرآبادی، سید مبارک شاہ رامپوری نے دستخط کر دیئے اس فتویٰ

---

[1] ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء از مفتی انتظام اللہ شہابی صفحہ نمبر ۶۷، ۶۸ طبع لاہور

[2] فقہائے پاک و ہند صفحہ نمبر ۳۱۵ جلد اول طبع لاہور

(جہاد) کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی۔[1]

مفتی صاحب کے مکان اور مدرسہ[2] میں ہر وقت مجاہدین کا جمگھٹا رہتا تھا۔ اور اس اہم مسئلے کے تمام پہلو زیر بحث آتے تھے۔ لیکن جب یہ تحریک جہاد ناکام ہو گئی اور ملک پر انگریزوں نے مکمل قبضہ کر لیا تو انگریزوں کی مخالفت میں جو لوگ گرفتار ہوئے اور مستحق سزا ٹھہرے ان میں مفتی صدر الدین کا نام نامی بھی شامل تھا۔

۱۸۵۷ء کے بعد مفتی صاحب کو شدید زخم چشم پہنچا۔ ملازمت بھی ختم ہو گئی اور تیس (۳۰) سال کی مدتِ ملازمت ہی جو کچھ کمایا تھا وہ بھی بہ حق سرکار ضبط ہوا اور منقولہ وغیر منقولہ تمام جائیداد چھین لی گئی بلکہ فتویٰ جہاد پر دستخط کے سلسلے میں چند مہینے نظر بند بھی رہے۔ کتب خانہ جو مختلف علوم و فنون کی بہت سی قیمتی اور نایاب کتابوں پر مشتمل تھا اور تین لاکھ روپے کی مالیت کا تھا انگریزوں کے قبضے میں آیا اور پھر نیلام ہوا۔ مفتی صاحب کو سب سے زیادہ افسوس اس کتب خانے کا تھا۔[3]

جب حالات کچھ اعتدال پر آئے تو جائیداد کی واپسی کے سلسلے میں مفتی صاحب لاہور تشریف لائے اس زمانے میں پنجاب کا چیف کمشنر لارڈ جان لارنس تھا وہ دہلی رہ چکا تھا اور مفتی صاحب ممدوح سے بہت تعلق رکھتا تھا۔ لاہور میں آنے کا مقصد جائیداد کی واپسی

---

[1] غدر کی صبح و شام (روزنامچہ) از منشی جیون لال بحوالہ مقدمہ الشورۃ الہندیہ مترجم صفحہ نمبر ۱۴ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء صفحہ نمبر ۹۲ طبع لاہور

[2] مدرسہ دار البقاء دہلی: یہ مدرسہ جامع مسجد دہلی کے جنوبی دروازے کے قرب حجروں میں واقع تھا اور ایک زمانے میں معقول و منقول کی تعلیم کا ایک بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا مولوی صدر الدین آزردہ نے اس کا اپنے زمانہ میں احیاء کیا تھا، حجروں کی مرمت کرائی۔ مدرسین کا انتظام کیا طلبہ کیلئے قیام و طعام کی سہولتیں فراہم کیں۔ طلبہ کے لباس کی ضرورتوں کو وہ پارچہ سے خود پورا کرتے تھے اور طلبہ کو درس و تدریس کیلئے بھی وقت دیتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں مدرسہ بالکل بند ہو گیا۔ (مجلّہ علم و آگہی کراچی ۱۹۷۴ء، ۱۹۷۵ء صفحہ نمبر ۲۵)

[3] فقہائے ہند از محمد اسحاق بھٹی صفحہ نمبر ۳۱۷، ۳۱۸ جلد اول طبع لاہور

کے بارے میں جان لارنس سے گفتگو کرنا تھا، لیکن جائیداد منقولہ نیلام ہو چکی تھی لہٰذا اس کی واپسی ناممکن تھی۔ البتہ غیر منقولہ جائیداد جو انگریزی حکومت نے ضبط کر لی تھی واگزار ہو گئی۔

مولانا فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں:

(نظر بندی سے رہائی کے بعد) مفتی صاحب لاہور میں تشریف لائے اور واسطے کتب اپنے خانہ مالیتی تین لاکھ روپے کے جو دہلی کی لوٹ میں نیلام ہو گیا تھا، لارڈ جان لارنس صاحب کے پاس جو اس وقت پنجاب کے چیف کمشنر تھے اور مولانا ممدوح کے دہلی میں بڑے مہربان رہ چکے تھے مطالبہ کیا لیکن چونکہ جائیداد منقولہ کے نیلام کا واپسی ہونا متعذر تھا۔ اس لئے اپنے مطلب میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن اتنا ہو گیا کہ جائیداد غیر منقولہ جو سرکار میں ضبط ہو گئی تھی واگزار ہو گئی۔[1]

مفتی صاحب کا ایک عظیم کارنامہ

جامع مسجد (دہلی) غدر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے قبضہ میں آ گئی تھی یہ مقدس عمارت، فوجی ہسپتال کے کام میں تقریباً ۲ رسال تک رہی۔ مسلمانانِ دہلی فریضہ نماز کی ادائیگی سے محروم تھے۔ جب دلی میں امن چین ہو گیا تو مفتی صاحب نے عمائد شہر کی ہمنوائی میں مسجد کی واگزاشت کی سعی کی۔ آپ کے شرکاء میں سے شاہی خاندان کے فرد مرزا الٰہی بخش بھی تھے۔ چنانچہ گورنمنٹ نے یہ مسجد مسلمانوں کے حوالے کر دی اور اس کی ایک انتظامیہ کمیٹی بنا دی۔ مفتی صاحب بھی ایک رکن تھے۔

(ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء صفحہ نمبر ۱۰۱)

---

[1] حدائق حنفیہ صفحہ نمبر ۴۹۹ طبع لاہور، فقہائے ہند صفحہ نمبر ۳۱۸ جلد اوّل طبع لاہور

مولانا امام بخش صہبائی علیہ الرحمۃ

۱۷۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کی طرف سے فاروقی اور والدہ کی طرف سے سید تھے۔ ان کے والد کا نام محمد بخش تھا۔ تھانیسر سے نقل مکانی کر کے دہلی آئے اور کوچہ چیلاں میں سکونت اختیار کی۔ امام بخش کی علیت کا ڈنکا بقول مرزا فرحت اللہ بیگ سارے ہندوستان میں بج رہا تھا۔ دہلی کالج کے صدر مدرس فارسی تھے۔

صہبائی کے ساتھی مولانا فضل حق، مفتی صدرالدین آزردہ وغیرہ اس جنگ آزادی میں شریک تھے۔ انکو بھی شرکت کرنی پڑی۔ قلعہ بہادر شاہ نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اس میں یہ بھی بلائے گئے جب پانسا الٹا پڑا۔ انگریز فاتح طور سے داخل ہوئے۔

جہاں کی تشنہ خوں تیغ آب دار ہوئی
سنان نیزہ ہر ایک سینہ سے دو چار ہوئی
رسن ہر ایک بشر کے گلے کا ہار ہوئی
ہر ایک سمت سے فریاد گیر دار ہوئی
ہر ایک دشت قضا میں کشاں کشاں پہنچا
جہاں کی خاک تھی جس جس کی وہ وہاں پہنچا
ہر ایک شہر کا پیر اور جوان قتل ہوا
ہر ایک قبلہ و ہر خاندان قتل ہوا
ہر ایک اہل زباں خوش بیان قتل ہوا
غرض خلاصہ یہ ہے ہر اک جہان قتل ہوا
گھروں سے کھینچ کے کشتوں پہ کشتے ڈالے ہیں
نہ گور ہے نہ کفن نہ رونے والے ہیں [1]

---

[1] ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء از مفتی انتظام اللہ شہابی صفحہ نمبر ۱۲۰ طبع لاہور

مولانا تحریک آزادی کے مجاہد تھے ان کے بھانجے مولانا میر قادر علی کا کہنا ہے کہ وہ ایک روز ماموں کے ساتھ کٹرہ مہر پرور کی مسجد میں نماز فجر پڑھ رہے تھے۔ پہلی ہی رکعت تھی کہ فرنگی وَن وَن کرتے آپہنچے۔ امام صہبائی کے صافے سے مشکیں کس لی گئیں۔ اس وقت دہلی پر قیامت ٹوٹی ہوئی تھی۔ ان کو دریا کے کنارے پر لایا گیا۔ ایک مسلمان افسر نے ان سے کہا کہ موت تمہارے سر پر ہے گولیاں تمہارے سامنے ہیں اور دریا تمہاری پشت پر ہے۔ تم میں سے جو لوگ تیرنا جانتے ہیں وہ دریا میں کود پڑیں۔ میر قادر علی بہت اچھے تیراک تھے۔ مگر مولانا امام بخش اور ان کے صاحبزادے مولانا شور تیرنا نہ جانتے تھے۔ میر قادر علی نے گوارا نہ کیا کہ ان کو چھوڑ کر اپنی جان بچائیں لیکن ماموں کا اشارہ پا کر دریا میں کود پڑے۔ کوئی پچاس یا ساٹھ گز ہی گئے ہوں کہ گولیوں کی آواز نے مولانا امام بخش اور باقی افراد کی شہادت کی تصدیق کر دی۔

حضرت اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں:

وہی صہبائی جو تھے صاحب قول فصیل
ایک ہی ساتھ قتل ہوئے پدر اور پسر

دوسری روایت نواب صدیق حسن خاں کی ہے۔

جن کا خیال ہے کہ مولانا کو پھانسی دی گئی۔ مفتی صدر الدین آزردہ نے آپ کا ذکر ان درد بھرے الفاظ میں کیا ہے۔

روز وحشت مجھے صحرا کی طرف لاتی ہے!
سر ہے اور جوش جنوں سنگ ہے اور چھاتی ہے
ٹکڑے ہوتا ہے جگر جی میں یہ بن آتی ہے
مصطفٰے خاں کی ملاقات جو یاد آتی ہے
کیونکہ آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو [1]

[1] جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر صفحہ نمبر ۱۶۸، ۱۶۹، طبع اوّل ۱۹۸۶ء لاہور

حضرت اکبرالہ آبادی نے ان کی دردناک شہادت پر مندرجہ ذیل مرثیہ لکھا،

ندانم کجا رفت آں نعش پاک ...... ملک بردیا ماند بر روئے خاک

ندانم کسے داد اورا کفن ...... دیا ماند جوں سایہ برخاک تن

ندانم چہ کرد است با اوسپہر ...... زجامہ کفن کردیا تاب مہر

بخاکش نمودند اور انہاں ...... دیا مرتفع شد سوئے آسماں

کسے فاتحہ ہم برو خواندہ است ...... بعطر گلابی بر افشاندہ است

کدامی گل و بلبل و بادوشت ...... بخاکش بحسن عقیدت گزشت

الٰہی بیا مرزا مظلوم را ...... کلاہ شہی دہ بہ ملک بقا

بفردوس اعلیٰ بود جائے او

بہشت بریں باد ماوائے او [۱]

آپ کا صرف ایک بھانجا بچا جو آپ کا داماد بھی تھا۔ آپ کی شہادت کے بعد آپ کا گھر کھدوادیا گیا اور جو کچھ ملا .... انگریزوں نے لوٹ لیا۔[۲]

شہداء میں آفتاب ومہتاب

ان شہداء میں آفتابِ ہند مولانا صہبائی کے علاوہ دوسرے استاذ فن سید محمد امیر عرف ''میر پنجہ کش'' بھی تھے جن کی خوشنویسی کا لوہا تمام ہندوستان مانتا تھا۔ اور اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے حرف سونے چاندی کے عوض خریدے جاتے تھے۔ وہ بھکاری فقیروں کو ایک حرف لکھ کر دے دیتے تھے جو ایک روپیہ کے نوٹ کی طرح ہر جگہ روپیہ کا بکتا تھا۔ (افسوس کہ یہ صاحب کمال بھی دریا کی ریتی میں شہید ہوا)۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی صفحہ نمبر ۲۴۰ جلد ۴)

۱ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء صفحہ نمبر ۱۲۱، طبع لاہور

۲ آزادی کی ان کہی کہانی از گل محمد فیضی صفحہ نمبر ۱۱۶، ۱۱۷

منشی رسول بخش کاکوروی علیہ الرحمۃ

آپ کے مورث اعلیٰ ابوبکر حاجی علوی کے صاحبزادے ملک بہاؤ الدین سلاطین شرقیہ کی طرف سے کاکوری فتح کرنے کی غرض سے آئے اور فتح کے بعد وہیں مقیم ہو گئے۔ منشی رسول بخش نواب واجد علی شاہ کی فوج میں ملازم تھے۔

آپ فرنگیوں کے سخت دشمن تھے اور اُن کا تختہ الٹنے کیلئے آپ نے اپنے ہم خیال افراد کو جمع کرنا شروع کیا۔ آپ نے تحریک آزادی کے قائدین سے بھی ملاقاتیں کیں۔ جن میں عظیم اللہ بھی شامل تھے۔ آپ نے اودھ کی چھاؤنیوں کے مختلف افسروں سے مل کر انہیں جہاد کیلئے تیار کیا اور ان کی ماتحت فوج کیلئے تنخواہ کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ میرٹھ میں تحریک کے آغاز کے دوسرے روز فوجیں لکھنؤ میں داخل ہونے والی تھیں۔ منشی رسول بخش کے کئی اہلکاروں کے ساتھ تعلقات تھے۔ ان میں سے پولیس کے ایک اہلکار نے کرنل بیلی کے پاس جا کر آپ کی سرگرمیوں کے بارے میں مطلع کر دیا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے منشی عبدالصمد اور دیگر شریک کار اٹھارہ (۱۸) نفوس سمیت گرفتار کر لئے گئے۔ ان تمام کو شاہ پیر محمد کے ٹیلہ پر پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا گیا۔ نیز آپ کے خاندان کے تمام افراد کو گرفتار کرنے کا حکم بھی دے دیا گیا۔

آپکے دوسرے دو فرزندوں منشی عبدالحئی اور منشی عبدالعزیز کو کاکوری میں اس سانحہ ارتحال کی خبر ملی تو وہ باقی اہل خاندان کے ساتھ گھر چھوڑ کر روپوش ہونے کی غرض سے نکل کھڑے ہوئے۔ شاہ تراب علی۔ جادہ نشین تکیہ شریف کاظمیہ کاکوری نے اپنے مکان کے زنانہ حصہ میں کئی ماہ تک ٹھہرائے رکھا۔ اسکے بعد سندیلہ جا کر اپنے ایک عزیز کے ہاں روپوش ہوئے۔[1] نیز مال و اسباب ضبط ہوا، جس کا نیلام کیا گیا۔ مرزا فرخندہ بخش شاہزادے نے جس کو خرید کیا۔[2]

---

[1] جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر صفحہ نمبر ۱۶۰، ۱۶۱   [2] ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء صفحہ نمبر ۱۳۵

مفتی عنایت احمد کاکوروی علیہ الرحمۃ

سرکاری ملازم تھے۔ علی گڑھ سے بحیثیت صدر امین تبادلہ ہوا۔ تو بریلی اُٹھ آئے۔ اسی دوران ۱۸۵۷ء کی آزادی کے شعلے بھڑکنے لگے۔ آپ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بریلی کے انقلابی گروہ کی مشاورتی مجالس میں برابر شریک ہوتے رہے۔ نواب خان بہادر خان کی قیادت میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ بریلی مجاہدین آزادی کا مرکز تھا، یہاں مجاہدین کی ہر قسم کی امداد واعانت مولانا رضا علی خاں اور مولانا علی نقی خاں فرما رہے تھے۔ آپ نے ان کے ساتھ مل کر بھی بڑی خدمات انجام دیں۔ جنرل بخت خاں بریلی پہنچے تو مفتی صاحب آپ کے ساتھ ہو گئے۔ پھر تھوڑے عرصہ کے بعد بریلی واپس آئے۔ خان بہادر کی مجلس مشاورت کے علاوہ میدان کارزار میں بھی شریک رہے۔ لیکن آخر کار انگریزی تسلط قائم ہو گیا۔ مفتی صاحب بھی گرفتار کر لئے گئے جس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ قید و بند کی سختیوں کے باوجود تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ تاریخ حبیب اللہ تالیف کی اور تقویم البلدان کا ترجمہ کیا۔ رہائی کے بعد وطن واپس پہنچے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ مفتی صاحب حج کیلئے تشریف لے گئے۔ جدہ کے قریب جہاز پہاڑ سے ٹکرا کر ڈوب گیا۔ آپ نماز احرام باندھے ہوئے غریق وشہید ہوئے یہ واقعہ ۷/ شوال ۱۲۷۹ھ کا ہے۔ رحمت ہو خدا کے ان نیک بندوں پر جن کی زندگی امت مسلمہ کی آزادی اور بہبود کیلئے وقف رہی۔[۱]

---

۱ آزادی کی ان کہی کہانی از گل محمد فیضی صفحہ نمبر ۱۰۹ تا ۱۱۱

ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء صفحہ نمبر ۱۲۳ — علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد ۴ صفحہ نمبر ۷۴۳

بطلِ حریت

اللہ اللہ اس رہِ حق کے مسافر کا چلن ...... جو رہا باطل کے ہر ظلم و ستم پر خندہ زن
وہ نشان عظمت اسلام ، بطل حریت ...... جس کی ٹھوکر میں رہا تاج سلاطین زمن
آسمان اہل سنت کا درخشاں آفتاب ...... ہند کے ظلمت کدوں پر جو رہا پرتو فگن!
جس کی درویشی پہ دارا و سکندر ہوں نثار ...... تاج شاہی سے ہے بڑھ کر جس کی تا پر پیرہن
شیر دل ، بے باک ، جرأت آزما ، جنگ آشنا ...... مردِ میداں ، قوت بازوئے حق ، باطل شکن
موت کا رسیا ، طلبگار شہادت ، مرد حق ...... زندگی سے کھیلنے والا شہید بے کفن
پابجولاں جرمِ آزادی میں گھر کو چھوڑ کر ...... تیزہ و تاریک صحرا میں رہا جو خیمہ زن
جس کے نغموں نے پریشاں کر دیا صیاد کو! ...... مدتوں روئیں گے جس کو ہم صفیران چمن
جس نے بنیادیں ہلا دیں قصر استعمار کی ...... کاٹ ڈالے جس نے محکوموں کے زنجیر و رسن
کعبہ اہل صفاؤ ، قبلہ ارباب دین! ...... ماحیٔ کفر و ذلالت ، حامیٔ دین حسن!
تادم آخر عنایت جس پہ احمد کی رہی ...... اب بھی جس کی قبر پر بے سایہ ہے سایہ فگن!

جس سے تاریخ جہاد حریت تابندہ ہے
نام جس کا زندہ ہے جس کا عمل پائندہ ہے

فاتح عیسائیت مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ الرحمۃ

آپ ضلع مظفر نگر کے پرگنہ کیرانہ کے سپوت تھے۔ باعلم عالم تھے۔ جب تحریک آزادی کا آغاز ہوا تو آپ نے اس میں بھرپور حصہ لیا۔

جب نواح کیرانہ میں مولانا رحمت اللہ فرنگی فوج کا مقابلہ کر رہے تھے۔ بظاہر مجاہدین کی پوزیشن کافی مستحکم تھی، لیکن غداروں کی وجہ سے صورت حال تبدیل ہوگئی۔ مولانا رحمت اللہ کو گرفتار کرنے کیلئے کیرانہ کے محلہ دربار کا محاصرہ کیا گیا، گھر گھر کی تلاشی لی گئی لیکن مولانا ایک قریبی دیہات پنجیٹھ پہنچ چکے تھے جہاں آپ کو کیرانہ کے قرب و جوار کی اطلاعات ملتی رہتی تھیں۔ اسی دوران میں فرنگی فوج کا ایک گھوڑ سوار دستہ پنجیٹھ کی طرف روانہ ہوا تو گاؤں کے مکھیا نے مولانا اور ان کے رفقاء کو منتشر کردیا۔ مکھیا کے مشورے پر مولانا کھیتوں میں گھاس کاٹنے میں مصروف ہوگئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں گھاس کاٹ رہا تھا اور گھوڑوں کے ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں وہ میرے جسم پر پڑتی تھیں۔ پورے دیہات کی تلاشی لی گئی۔ مکھیا کو حراست میں لے لیا گیا لیکن مولانا نہ ملے۔

جب فرنگیوں نے حالات پر قابو پالیا تو مولانا پر غیر حاضری میں مقدمہ چلایا گیا اور آپ کی گرفتاری کیلئے ایک ہزار روپے کا انعام مقرر کیا گیا۔ مولانا اپنا نام مصلح الدین رکھا اور بھیس بدل کر دہلی چلے گئے جہاں سے حجاز مقدس جانے کیلئے جے پور اور جودھپور کا راستہ اختیار کیا۔ وہاں سے سورت گئے اور اس طرح مکہ معظمہ چلے گئے۔ فرنگیوں نے مولانا اور ان کے خاندان کی املاک ضبط کر کے نیلا کردی گئی۔ جو جائیداد پانی پت میں نیلام ہوئی وہ لاکھوں روپے کی مالیت تھی لیکن محض ایک ہزار چار سو بیس روپے میں فروخت ہوئی [1]۔

[1] جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر صفحہ نمبر ۱۶۵، ۱۶۶

حضرت مولانا فیض احمد بدایونی علیہ الرحمۃ

آپ آگرہ میں ایک سرکاری عہدے پر فائز تھے۔ ۲/ جولائی کو بخت خاں کے دہلی میں داخلے کے بعد آپ بھی وہاں آگئے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کے فتویٰ جہاد پر دستخط کئے۔ جب مولانا احمد اللہ شاہ آگرہ آئے تو آپ بھی تحریک آزادی کے داعی بن گئے۔

جب دہلی میں بخت خاں کے کاز کو نقصان پہنچا تو مولانا فیض احمد اور ڈاکٹر وزیر خاں، جو طویل عرصے سے جرنیل کے ساتھی تھے بھی لکھنؤ اٹھ آئے اور مولانا احمد اللہ شاہ کی کمان میں لڑے۔

سقوط لکھنؤ کے بعد دونوں بدایوں چلے گئے اور شہزادہ فیروز شاہ کے دوش بدوش لڑائی میں حصہ لیا۔ جب وہاں بھی لڑائی میں حصہ لیا۔ جب وہاں بھی لڑائی ناکامی بدل گئی تو محمدی چلے گئے۔ اور دوبارہ مولانا احمد اللہ شاہ کے ساتھ مل گئے مولانا کی شہادت کے بعد مولانا فیض احمد مکمل طور پر غائب ہوگئے۔ آپ کے اہل خاندان نے آپ کو قسطنطنیہ (استنبول) تک تلاش کیا لیکن ان کو کامیابی نہ ہوئی ۔[1]

مولانا محمود احمد کانپوری لکھتے ہیں:

(فتویٰ جہاد) پر دستخط کرنے کے علاوہ مختلف مقامات پر لڑائی میں شرکت کی...... آپ کے ماموں حضرت سیف اللہ المسلول [2] قدس سرہٗ نے آپ کی تلاش میں ممالک عربیہ کا سفر کیا اور قسطنطنیہ تک تشریف لے گئے مگر آپ کا سراغ نہ ملا۔[3]

---

[1] جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر صفحہ نمبر ۱۶۹، ۱۷۰

[2] مولانا فضل رسول بدایونی (م ۱۲۸۹ھ)

[3] تذکرہ علمائے اہل سنت از محمود احمد کانپوری صفحہ نمبر ۲۱۲ اکمل التاریخ، ترجمہ مولانا فیض احمد

مولانا رضی اللہ بدایونی علیہ الرحمۃ

"ایمان نہیں کھوسکتا، جان دینا آسان ہے"

آپ بدایوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اور نسب کے لحاظ سے صدیقی شیخ تھے۔ ممتاز عالم دین تھے اور اپنے علم کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے۔ بدایوں کے کلکٹر کارمیکل نے عربی سیکھنے کیلئے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔[1]

مولانا نے تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ اور جہاد کی روح پھونکی۔ تحریک کی ناکامی کے بعد گرفتار ہوئے تو مولانا کا مقدمہ پیش ہوا۔ مولانا طفیل احمد (مرحوم) لکھتے ہیں: تو صاف اقبال جرم کیا۔ کلکٹر نے کارروائی ملتوی کی اور کہلا بھیجا کہ جرم سے انکار کردیں تو بچ جائیں گے مگر دوسرے روز دوبارہ اقبال جرم کیا۔ مجوراً کلکٹر کو سزائے موت کا فیصلہ دینا پڑا۔ جب گولی ماری جانے لگی تو کارمیکل اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور رقت آمیز لہجے میں آپ سے استدعا کی کہ اب بھی اگر آپ تحریک میں شرکت کے جرم سے انکار کردیں تو میں آپ کو موت سے بچالوں گا، اس پر مولانا نے بڑی ترش روئی سے کہا کہ میں تمہاری وجہ سے اپنا ایمان اور اپنی عاقبت خراب کرلوں؟ یہ کہہ کر بخوشی جان دے دی۔[2]

اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے۔

---

[1] ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء صفحہ نمبر ۱۲۲

[2] مسلمانوں کا شاندار مستقبل صفحہ نمبر ۳۶۳ جلد ۲

جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر صفحہ نمبر ۱۷۰/ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء صفحہ نمبر ۱۲۳

مولانا غلام حسین علیہ الرحمۃ

آپ نے فرخ آباد عوام کو فرنگیوں کے خلاف ابھارنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔
آپ نے پٹیالہ کی لڑائی میں حصہ لیا پکڑے گئے اور پھانسی پائی۔ بھاری بھرکم ہونے کی بنا پر پھانسی کا پھندا آپ کی جدوجہد سے ٹوٹ گیا بعد میں زیادہ مضبوط رسے سے پھانسی دی گئی۔[1]

مولانا عبد الجلیل علی گڑھی علیہ الرحمۃ

مولانا عبد الجلیل بن مولانا ریاض الدین (شارح قصیدہ بردہ شریف) جامع مسجد علی گڑھ کے امام تھے۔ اور وہیں آپ کا حلقہ درس بھی قائم تھا۔ جب علی گڑھ انگریزوں سے خالی ہوا تو زمام قیادت آپ کے حوالہ کی گئی۔ جولائی یا اگست میں انگریز تازہ دم فوجیں لے کر آگرہ کی جانب سے علی گڑھ پر حملہ آور ہوئے۔ مولانا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کیلئے سینہ سپر ہو گئے۔ مڈراک کی سڑک پر انگریزی فوجوں سے تصادم ہوا۔ مقابل تازہ دم اور تمام سامان سے مسلح تھا۔ اور اس طرف جوش آزادی اور ولولہ قربانی تھا۔ جس نے آپ کو میدان جنگ میں ثابت قدم رکھا۔ یہاں تک کہ بہتر ساتھیوں کے ساتھ آپ نے اسی میدان میں جام شہادت نوش فرمایا۔ تمام شہداء کے مزارات جامع مسجد دہلی کے شمالی دروازہ کے بالکل قریب ہیں۔ نیز مولانا شہید کے تمام مکانات اور جائیداد کو کھدوا کر پھینک دیا گیا۔ (ان کے بچوں کیلئے) نہ رہنے کی کوئی جگہ تھی اور نہ ٹھہرنے کیلئے کوئی ٹھکانہ۔[2]

---

[1] جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر صفحہ نمبر ۱۸۰
[2] علماء ہند کا شاندار صفحہ نمبر ۳۱۶، ۳۱۷، جلد ۴

مولانا وہاج الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ

شہید ملت ندائے قوم مولوی وہاج الدین عرف مولوی منور رحمۃ اللہ علیہ مرادآباد کے ممتاز، باا ثر، قوم پرور اور جلیل القدر رئیس تھے۔ نہایت ہی فیاض، سیر چشم اور مہمان نواز تھے۔ ان کا دستر خوان فراخ تھا۔ مذہب کے معاملے میں آہنی ستون، عبادت گزار، بے مثل شجاع، اخلاق کی بلندی کا یہ عالم تھا کہ ہر اعلیٰ وادنیٰ کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بھرپور حصہ لیا اور ہر محاذ پر انگریزوں کو شکست پر شکست دی اور جوانمردی کے جوہر دکھائے۔

رمضان المبارک کا مہینہ اور عصر و مغرب کے درمیان کا وقت تھا کہ فوجی دستہ نے مولانا کی قیام گاہ کا محاصرہ کرلیا۔ پہلے ہی نمک خوار مخبر آگے بڑھا۔ مولانا تنہا مکان میں تشریف فرما تھے۔ ان کو اپنی آمد کی خبر کرائی۔ مولانا وہاج الدین ان دنوں انتہائی محتاط تھے۔ مگر آنے والے کا نام سنتے ہی ان کی احتیاط اور وقت کی نزاکت، نرم دلی اور خلوص و ہمدردی کے نیچے دب گئی۔ اور انہوں نے فوراً ہی صدر دروازہ کھول دینے کا حکم صادر فرمایا۔ دروازہ کھلتے ہی ساتھ ساتھ فوجی رسالہ دیوان خانہ میں داخل ہوا۔ اور آزادی سے آگے بڑھا۔ اس پر ایک نمک حلال ملازم نے تیوری بدل کر مداخلت کی جسے اسی وقت شہید کردیا گیا۔ مولوی صاحب نے اپنی بندوق جو قریب ہی رکھی تھی اٹھائی، لیکن معاً ان پر گولیاں برس پڑیں اور ان کی روح کلمہ پڑھتی ہوئی قفس عنصری سے عالم بقا کو پرواز کرگئی۔

آقا اور ملازم کی نعش فوجی رسالہ اپنے ساتھ لے گیا اور ان کی تمام جائیدادیں ضبط کرلیں۔ مولانا وہاج الدین صاحب اور ان کے ملازم کی پختہ قبریں محلہ کنجری سرائے میں کچہری روڈ پر نعل بندوں کی مسجد کے قریب ایک خطیرہ میں ہیں۔[۱]

---

۱ علمائے ہند کا شاندار ماضی صفحہ نمبر ۳۸۴، ۳۸۵ جلد ۴

حضرت شاہ جی غلام بولن سیوہاروی علیہ الرحمۃ

آپ مراد آباد کے مشہور قادری بزرگ حضرت شاہ بلاقی الملقب شاہ بولن (متوفی ۱۱۳۹ھ) کے پرپوتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں آپ کا لنگر خانہ تمام غریبوں مسافروں اور فقر وفاقہ کے ہاتھوں پریشان لوگوں کیلئے کھلا ہوا تھا۔ سب آتے تھے اور کھانا کھاتے تھے۔

انگریزوں نے غلبہ پاکر جو تفتیش کی تو آپ کو اس الزام میں گرفتار کیا گیا کہ آپ انگریزوں کے دشمنوں کی مدارات کرتے ہیں اور اُن کو کھانا کھلاتے ہیں اس گرفتاری کا باعث ایک چغل خور بد بخت تھا جو بظاہر آپ کا مرید اور معتقد بنا ہوا تھا لیکن یہ بد بخت انگریز کا خیر خواہ تھا۔

آپ کو گرفتار کر کے جزیرہ انڈیمان بھیجا گیا اور وہیں ۲ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ کو آپ رحمت حق سے واصل ہوئے۔[1]

تاریخ وصال او خرد گفت ...... ماوائے جہاں غلام بولن
۱۲۷۶ھ

---

[1] انوار العارفین (فارسی) صفحہ نمبر ۷۵۴ مطبوعہ صدیقی بریلی
علمائے ہند کا شاندار ماضی صفحہ نمبر ۲۰۵، ۲۰۶، جلد ۴

ع صاحب انوار العارفین (صوفی محمد حسین مراد آبادی) نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ بولن ہر سال اپنے جد امجد کے مزار کی زیارت کیلئے مراد آباد آتے تھے۔

منشی ذوالفقارالدین علیہ الرحمۃ

آپ بدایوں کے متولیوں کے خاندان سے تھے۔ جب انگریزی تسلط کے بعد گرفتار ہوکر مسٹر کارمیکل کے سامنے بغرض جواب دہی پیش ہوئے، منشی جی کبھی اس انگریز کے ساتھ کام کر چکے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ آپ جرم سے انکار کردیں۔ انہوں نے صاف صاف جواب دیا کہ میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ حق گوئی اور صداقت پسندی کی حد ہوگئی کہ آپ نے جان دے دی، مگر جھوٹی بات سے زبان کو ملوث کرنا پسند نہیں کیا۔ سچ ہے:

کار پاکاں راقیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

آپ کی تاریخ شہادت حسب ذیل کہی گئی ہے۔

بغاوت کی ہوئے قتل آہ ...... شہادت کا رتبہ ملا بالیقیں
مجھے فکر تھی ان کی تاریخ کی ...... کہ ہاتف نے مجھ سے کہا اے ذہیں
یہ مظلوم بے کس کی تاریخ ہے
ہوا مسند آرائے خلد بریں [1]

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی صفحہ نمبر ۳۶۲، ۳۶۳ جلد ۴

مولانا رضا علی خاں بریلوی علیہ الرحمۃ

مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی کے دادا جان ہیں۔ جب دہلی کے آخری تاجدار بہادر شاہ پر انگریز غالب ہونے لگے اور انگریزوں سے مقابلہ کیلئے جنرل بخت خاں شاہ احمد اللہ مدراسی[1] نے جہاد کمیٹی بنائی تو دہلی سے مولانا فضل حق خیر آبادی اور کاکوری سے مفتی عنایت اللہ کاکوروی (مصنف علم الصیغہ) اور بریلی سے مولانا رضا علی خاں کو منتخب کیا۔

جب روہیل کھنڈ بریلی اکناف میں انگریزی اقتدار بڑھنے لگا تو جنرل بخت اپنے مجاہد جلیل مفتی عنایت احمد کو مجاہدین کی تربیت کیلئے بریلی بھیجا اور انہیں ہدایت کی گئی کہ مولانا رضا علی خاں کی ہدایت سے مکمل استفادہ کیا جائے۔ مولانا نے اپنا مال و منال مجاہدین پر صرف کر دیا۔ مفتی صاحب نے آپ ہی کے پاس رہ کر میدان کارزار کے منصوبے بنا کر انگریزوں کو شکستوں پر شکستیں دیں۔ مولانا رضا علی خاں کے فرزند ارجمند مولانا نقی علی خاں کی ڈیوٹی مجاہدین کو ہر قسم کا رسد پہنچانے پر لگی ہوئی تھی۔ آپ کی جامع مسجد میں ہر وقت دیگیں چولہوں پر رہتی اور مجاہدین کیلئے لنگر عام ہوتا تھا۔

بدقسمتی سے بعض غدار مسلمانوں اور ہندوؤں کی سازشوں سے تحریک جنگ آزادی کامیاب نہ ہو سکی۔ انگریزوں نے ملک پر قابض ہو کر اکابر بریلی علماء و فضلاء مجاہدین پر بے پناہ مظالم کئے، کئی تو شہید ہو چکے تھے اور بچے کھچے گرفتار کر کے جزیرہ انڈومان کی کال کوٹھڑیوں میں محصور کر دیئے گئے۔ چنانچہ مجاہدین کی سرگرمیوں کی بنا پر مولانا رضا علی خاں بریلوی کے وارنٹ جاری ہوئے اور ایک انگریز سارجنٹ سپاہی لے کر بریلی پہنچا جس وقت

---

[1] مولوی احمد اللہ شاہ کے ساتھی تھے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ناکامیوں کے بعد شاہجہاں اور وہاں سے محمدی، آخر کار اپنے ہمراہیوں سمیت نیپال پور کا راستہ لیا۔ فوجی ساتھ رہی۔ ایسے روپوش ہوئے پھر پتہ نہ لگا۔ (ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء صفحہ نمبر ۱۰۶)

وہ آپ کی مسجد میں گیا آپ تلاوت قرآن مجید میں مشغول تھے، سارجنٹ نے اِدھر اُدھر دیکھا اسے کچھ نظر نہ آیا، باوجود تلاش وہ خائب وخاسر چلا آیا۔ انہیں ایام میں ملکہ برطانیہ نے عام معافی کا اعلان کردیا اس طرح آپ کو خدا تعالیٰ نے فرنگی استبداد سے محفوظ فرمایا۔[1]

شاد باش اے سرزمین بریلی شاد باش
شاد باش اے موطن شاہ احمد رضا شاد باش
شاد باش اے مرکز جہاد شاد باش
شاد باش اے میدان غزا شاد باش

الحمد للہ رب العالمین

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ

۴؍نومبر ۲۰۰۶ء؍۱۱؍شوال المکرم ۱۴۲۷ھ بروز ہفتہ

---

[1] حیات اعلیٰ حضرت از مولانا ظفر الدین بہاری صفحہ نمبر ۳ حصہ اوّل

مجاہدین اکابرین علماء وشہدائے تحریک آزادی از مولانا غلام مہر علی صفحہ نمبر ۵ تا ۷ (مقالہ)